قرآن مجید کے حقوق اور ہمارا طرزِ عمل

مولانا سید عبدالوہاب شیرازی

ہدایت کے دو پہلو

ہدایت کا ایک پہلو نظری، فکری اور علمی ہدایت ہے، جبکہ ہدایت کا دوسرا پہلو عملی، اخلاقی اور زندگی کے معمولات کے ضمن میں ہدایت ہے، یعنی انسان میں حق و باطل کی تمیز پیدا ہو جانا۔

پہلا پہلو

جو کچھ نظر آرہا ہے یہ حقیقت نہیں، بلکہ جو کچھ اس کے پیچھے ہے وہ حقیقت ہے۔ کائنات میں جو کچھ نظر آرہا ہے یہ حقیقت نہیں، بلکہ حقیقت اس کے پیچھے ہے۔ ایک ہمارا یہ ظاہری وجود ہے، جس میں درد محسوس ہوتا ہے، لیکن یہ حقیقت نہیں، حقیقی وجود روحانی وجود ہے جو نظر نہیں آتا۔

اسی طرح یہ کارخانۂ دنیا ہے، یہاں کی رنگینیاں ہیں، ساز و سامان ہے، لیکن حقیقت اس کے پیچھے ہے یعنی آخرت۔ یہ جو ظواہر ہیں ان کی بجائے حقائق پر توجہ ہو تو یہ نظری ہدایت ہے، یعنی ظاہر و باطن اور حق و باطل کا فرق معلوم ہو جانا یہ ہدایت ہے۔ تین حقائق یعنی ذات باری تعالیٰ، روح انسانی اور حیات اخروی پر جب تین ظواہر یعنی کائنات، جسم انسانی اور حیات دنیوی کا پردہ پڑ جائے تو یہی دجل اور دجالیت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بہت ہی پیاری دعا اسی بارے میں ہے:

''أللّٰهم أَرِنِیْ حَقِیْقَةَ الْأَشْیَاءِ کَمَاهِیَ''۔

''اے اللہ! مجھے تمام چیزوں کی حقیقت اسی طرح دکھا دے جس طرح وہ ہیں''۔

دوسرا پہلو

دوسری ہدایت عملی ہے اور اس کے بھی دو درجے ہیں: ۱:...... انفرادی سطح پر ہدایت۔ ۲:...... اجتماعی سطح پر ہدایت۔

انفرادی ہدایت یہ ہے کہ: انسان کو یہ سمجھ آجائے کہ میں کیا کروں، کیا نہ کروں؟ کیا خیر ہے اور کیا شر ہے؟ کیا اچھی بات ہے اور کیا بری بات ہے؟ یہ انفرادی ہدایت اللہ نے ہر انسان کے دل میں

ودیعت کی ہے، جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

’’وَنَفْسٍ وَّمَا سَوَّاهَا، فَأَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوَاهَا‘‘۔ (الشمس: ۷،۸)

یہی وجہ ہے اس انفرادی معاملے پر قرآن مجید میں اتنا زیادہ زور نہیں دیا گیا، ان باتوں کو معروف اور منکر کہا گیا ہے، معروف یعنی جانی پہچانی جس سے خود ہی انسان واقف ہے، اور منکر یعنی جس سے خود ہی انسانی نفس نفرت کرتا ہے، دنیا کے کس انسان کو معلوم نہیں کہ سچ بولنا اچھی اور جھوٹ بولنا بری بات ہے۔

اجتماعی سطح پر ہدایت

انسان کی اصل احتیاج اجتماعی زندگی کی ہدایت ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں آکر انسان افراط وتفریط کا شکار ہوجاتا ہے۔ دنیا میں تین بڑے اجتماعی مسائل ہیں:

۱:......مرد وعورت کے حقوق میں توازن۔

۲:......ریاست اور شہری کے حقوق میں توازن، یعنی شہری کو کتنی آزادی ہے اور کتنا پابند ہے اور ریاست کو کتنی آزادی ہے اور کتنی پابند ہے۔

۳:......سرمایہ اور محنت، سرمایہ دار اور مزدور کے حقوق کا توازن۔ یہاں آکر انسان ہدایت کا محتاج ہوجاتا ہے اور وہ ہدایت قرآن مجید سے ملتی ہے:

’’اَلرَّحْمٰنُ، عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ، خَلَقَ الْاِنْسَانَ، عَلَّمَهُ الْبَيَانَ‘‘۔ (الرحمٰن: ۱،۲،۳،۴)

رحمٰن اللہ کے ناموں میں سے چوٹی کا نام ہے اور قرآن تمام کتابوں میں سے چوٹی کی کتاب ہے اور انسان تمام مخلوقات میں سے چوٹی کی مخلوق ہے اور بیان انسان کی تمام صلاحیتوں میں سے چوٹی کی صلاحیت ہے۔

ان آیات میں ہمیں یہ تعلیم دی گئی کہ رحمٰن کی چوٹی کی مخلوق انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی چوٹی کی صلاحیت یعنی بیان کو اللہ کی چوٹی کی کتاب قرآن کو بیان کرنے پر صرف کرے۔ اس ساری گفتگو کا نتیجہ یہ ہے کہ پوری قوت کے ساتھ انفرادی اور اجتماعی سطح پر رجوع الی القرآن کی زبردست تحریک چلنی چاہیے، تاکہ سب مسلمان قرآن کے ساتھ جڑ جائیں، قرآن کو سیکھیں اور سکھائیں، سمجھیں اور سمجھائیں، عمل کریں اور عمل کروائیں، اسی سے ہمارے سارے مسائل حل ہوجائیں گے۔

آج قرآن ہماری زندگیوں سے نکل گیا ہے، ہم اگرچہ کئی کام انفرادی سطح کے کرتے ہیں، لیکن اجتماعی سطح پر پہلا قدم رکھتے ہی پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ ہم رواجی پردہ تو کرتے ہیں، لیکن شرعی پردہ نہیں کرتے، رواجی پردہ یہ ہے کہ اجنبی سے پردہ کرو اور جاننے والے یا رشتہ دار سے نہیں، جبکہ شرعی پردہ یہ ہے کہ غیر محرم سے پردہ کرو، چاہے وہ رشتہ دار یا جاننے والا ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح دیگر اجتماعی مسائل میں ہماری یہی حالت ہے کہ ہم دین پر عمل نہیں کرتے۔

قرآن مجید کے پانچ حقوق

آج دنیا میں حقوق کی جنگیں لڑی جارہی ہیں، کہیں خواتین کے حقوق کی بات ہورہی ہے اور کہیں جانوروں کے حقوق کی، لیکن آج کے مسلمان کو یہ نہیں معلوم کہ اس پر قرآن مجید کے کتنے حقوق ہیں۔ جاننا چاہیے کہ ہر مسلمان پر قرآن مجید کے پانچ حقوق ہیں:

۱:......ایمان وتعظیم۔ ۲:......تلاوت وترتیل۔
۳:......تذکر وتدبر۔ ۴:......حکم واقامت۔
۵:......تبلیغ وتبیین

پہلا حق:......ایمان وتعظیم

ایمان کے دو حصے ہیں: ایک اقرار اور دوسرا تصدیق۔ ہم اقرار تو کرتے ہیں، لیکن یقین اور تصدیق کی ہمارے اندر کمی ہے، لہٰذا ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے دلوں کو ٹٹولیں کہ آیا ہم قرآن کو متوارث مذہبی عقیدے کی بنا پر ایک آسمانی مقدس کتاب سمجھتے ہیں، جس کا زندگی اور اس کے جملہ معاملات سے تعلق نہ ہو یا یہ یقین ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے جو اس لیے نازل ہوا کہ لوگ اس سے ہدایت حاصل کریں اور اسے اپنی زندگیوں کا لائحہ عمل بنائیں؟۔

ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کمی کیسے پوری ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان ویقین کے حصول کا سب سے آسان ذریعہ اصحاب ایمان ویقین کی صحبت ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عظیم ایمان بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا نتیجہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہمارے لیے بھی اصحاب یقین کی صحبت ضروری ہے اور خود ایسے خواص کے لیے نور ایمان کا منبع قرآن ہے، پھر اس کے بعد سیرت رسول واصحاب رسول کا مطالعہ کرنے سے معنوی صحبت میسر آجاتی ہے۔

ایمان کوئی ٹھوس چیز نہیں جسے باہر سے ٹھونس کر اندر داخل کیا جائے، بلکہ ایمان کی چنگاری ہر انسان کے اندر موجود ہوتی ہے، لیکن اعمالِ بد نے اُسے دھندلا کیا ہوتا ہے، اس چنگاری کو شعلہ بنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''إِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوْبَ تَصْدَأُ كَمَا يَصْدَأُ الْحَدِيْدُ إِذَا أَصَابَهُ الْمَاءُ، قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا جِلَاءُ هَا؟ قَالَ كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةُ الْقُرْآنِ''۔ (رواہ البیہقی)

''بے شک دلوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے، جس طرح لوہے کو پانی لگنے سے زنگ لگ جاتا ہے، عرض کیا گیا: اللہ کے رسول! اس کی صفائی کس طرح ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر وقت موت کا دھیان رکھنا اور قرآن کریم کی کثرت سے تلاوت کرنا''۔

دوسرا حق:......تلاوت

قرآن مجید کا دوسرا حق اس کی قراءت اور تلاوت ہے۔ قراءت کا لفظ ہر کتاب کے لیے بولا جاتا ہے، جبکہ تلاوت کا لفظ صرف قرآن کے لیے خاص ہے۔ پہلے زمانے میں قاریِ قرآن کو عالم کہا جاتا تھا، لیکن پھر آہستہ آہستہ یہ لفظ ان لوگوں کے لیے استعمال ہونے لگا جو قرآن کو مخارج اور صفات کا لحاظ رکھتے ہوئے اہتمام کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

قرآن کریم کی تلاوت بار بار کرنے کی ضرورت ہے، جس طرح جسم انسانی بار بار کھانے کا محتاج ہوتا ہے، اسی طرح روح انسانی بھی غذا کی محتاج ہے اور روح کی سب سے عمدہ غذا تلاوت قرآن کریم ہے۔ پھر اس تلاوت کے بھی کچھ حقوق ہیں:

☆ تلاوت کا پہلا حق یہ ہے کہ قرآن کریم کو تجوید کے قواعد کا لحاظ کر کے تلاوت کیا جائے، یعنی مخارج، صفات اور رموز واوقاف کا علم ہونا چاہیے، تاکہ قرآن کریم کی تلاوت کا حق ادا ہو سکے۔

☆ تلاوت کا دوسرا حق یہ ہے کہ روزانہ کا معمول ہونا چاہیے۔ زیادہ سے زیادہ تلاوت کا نصاب دس پارے روزانہ ہے اور کم سے کم نصاب ایک پارہ روزانہ ہے۔ ان دونوں کے درمیان ایک نصاب ہے، جس پر اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا معمول تھا، وہ ایک ہفتے میں ختم قرآن کا ہے۔ قرآن مجید میں سات منزلوں کی تقسیم اسی وجہ سے ہے کہ ایک منزل روزانہ تلاوت کر لی جائے اور ایک منزل کو تلاوت کرنے میں تقریباً دو گھنٹے صَرف ہوتے ہیں۔

☆ تلاوت کا تیسرا حق خوش الحانی ہے، فرمایا:

''زَیِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِأَصْوَاتِکُمْ''۔ (سنن ابی داوٗد، ج:۱،ص:۵۴۸، دارالکتاب العربی، بیروت)

ترجمہ: ''قرآن کو اپنی آوازوں سے مزین کر کے پڑھو''۔

اور ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ:

''لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ''۔ (سنن ابی داوٗد، ج:۱،ص:۵۴۸، دارالکتاب العربی، بیروت)

ترجمہ: ''جو قرآن کو خوبصورت نہیں پڑھتا، وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔

☆ تلاوت کا چوتھا حق یہ ہے کہ آدابِ ظاہری و باطنی کا خیال رکھا جائے، یعنی باوضو ہو کر قبلہ رخ بیٹھ کر تعوذ وتسمیہ پڑھ کر حضوریِ قلب، اور مسلسل تذکر وتدبر اور تفہم وتفکر کر کے تلاوت کا اہتمام کیا جائے۔ اپنے خودساختہ خیالات ونظریات کی سند قرآن میں نہ ڈھونڈی جائے، بلکہ قرآن سے ہدایت لینے کے لیے اُسے پڑھا جائے۔

☆ تلاوت کا پانچواں حق ترتیل ہے، یعنی تلاوت ٹھہر ٹھہر کر کی جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاً''۔ ''اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو''۔ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا تثبیت قلبی کا

ذریعہ بھی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

''وَکَذٰلِکَ لِنُثَبِّتَ بِہٖ فُؤَادَکَ وَرَتَّلْنٰہُ تَرْتِیْلاً''۔ (الفرقان:۳۲)

ترجمہ:''اور اسی طرح (اتارا) تاکہ ہم اس کے ذریعے تمہارے دل کو ثبات عطا کریں، چنانچہ پڑھ سنایا ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر''۔

چنانچہ ترتیل کے ساتھ پڑھنے سے زیادہ فیض حاصل ہوتا ہے۔ ایک روایت میں فرمایا: ''قرآن کی تلاوت کرو اور روؤ''۔

☆ تلاوتِ قرآن کا چھٹا حق یہ ہے کہ اس کو حفظ بھی کیا جائے۔ حفظ میں یہ ضروری نہیں کہ پورا ہی حفظ کیا جائے، بلکہ حسب توفیق زیادہ سے زیادہ حفظ کیا جائے۔

تیسرا حق: ...... تذکر وتدبر

یعنی قرآن کو سمجھنا۔ بغیر سمجھے قرآن کی تلاوت کا جواز ان لوگوں کے لیے ہے جو پڑھنے لکھنے سے محروم رہ گئے ہیں اور اب ان کی عمر اس حد کو پہنچ چکی ہے کہ ان کے لیے سیکھنا ناممکن ہو چکا ہے، ایسے لوگ اگر ٹوٹی پھوٹی تلاوت کریں یا تلاوت نہ کرسکیں محض عقیدت کی بنا پر سطروں پر اپنی انگلیاں ہی پھیریں تو بھی ان کو ثواب ملے گا۔ لیکن پڑھے لکھے لوگ جنہوں نے دنیا کے مختلف علوم وفنون حاصل کرنے میں زندگیاں صرف کیں، اپنی تو کیا غیرملکی زبانیں بھی سیکھیں، ایسے لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن کا فہم حاصل کریں۔

فہم کے مدارج

فہم قرآن کے دو درجے ہیں: ۱:...... تذکر بالقرآن۔ ۲:...... تدبر فی القرآن۔

۱:...... تذکر بالقرآن یہ ہے کہ قرآن سے نصیحت حاصل کرنا، اس اعتبار سے قرآن مجید بہت ہی آسان کتاب ہے، ارشاد ربانی ہے:

''وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ''۔ (القمر:۱۷)

''ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان بنایا ہے، ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟''۔

قرآن کو نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان پر حجت قائم کردی ہے، خواہ وہ کتنی ہی کم استعداد کا مالک ہو، اگر یہ بات درست ہے تو پھر یہ بھی درست ہے کہ قرآن سے نصیحت حاصل کرنا ہر انسان کے لیے آسان ہے، ہر انسان قرآن سے تذکر حاصل کرسکتا ہے۔

۲:...... تدبر فی القرآن یہ ہے کہ قرآن میں غور وخوض کیا جائے، قرآن مجید وہ سمندر ہے جس کی گہرائی کا کسی کو اندازہ نہیں ہوسکا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تدبر وتفکر میں کئی کئی سال لگاتے تھے۔ وہی

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سات دن میں قرآن کریم ختم کرنے کا حکم فرمایا تھا، وہ صرف سورۂ بقرہ میں تدبر پر آٹھ سال لگا دیتے ہیں، حالانکہ آیات کا شانِ نزول، عربی زبان اور دیگر قواعد سب جانتے تھے، ان کو سیکھنے کی کوئی حاجت ہی نہیں تھی۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عارف کے بارے میں لکھا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: میں قرآن مجید کا ایک ختم ہر جمعہ کو کرتا ہوں اور ایک ختم ہر مہینے کرتا ہوں اور ایک ختم ہر سال کرتا ہوں اور ایک ختم ایسا بھی ہے جس میں تیس سال ہو گئے ہیں، ابھی جاری ہے۔

قرآن مجید کو بطریق تدبر پڑھنے کی کچھ شرائط ہیں، اس کام کے لیے اولاً عربی زبان کے قواعد کا گہرا اور پختہ علم ضروری ہے، پھر اس کے ادب کا ایک ستھرا ذوق اور فصاحت و بلاغت کا عمیق فہم لازمی ہے، اس پر مستزاد یہ کہ جس زبان میں قرآن نازل ہوا، اس کا صحیح فہم اس کے بغیر ممکن نہیں کہ ادب جاہلی کا تحقیقی مطالعہ کیا جائے اور دورِ جاہلی کے شعرا اور خطبا کا کلام بھی پڑھا جائے، پھر اسی پر بس نہیں، قرآن کی اپنی بھی وضع کردہ اصطلاحات ہیں، جن سے واقفیت ایک طویل مدت تک قرآن کو پڑھتے رہنے سے حاصل ہوتی ہے۔ پھر قرآن کے نظم کو سمجھنا، اس کی ترتیب نزولی اور آیتوں وسورتوں کا باہمی ربط جاننا، یہ سب چیزیں بہت ضروری ہیں۔ یہ ساری وہ چیزیں ہیں جن کے بارے میں مفسرین نے چودہ علوم کا جاننا کہا ہے، اور یہ چودہ علوم والی بات تو پرانی ہے، اب تو اور کئی علوم بھی متعارف ہو گئے ہیں، اب تو سولہ یا اٹھارہ علوم کی قید لگائی جاسکتی ہے۔

چوتھا حق: ...... حکم، اقامت اور عمل

قرآن مجید کا چوتھا حق یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ قرآن مجید نہ تو جادو منتر کی کتاب ہے کہ محض اس کا پڑھنا دفع بلیات کے لیے کافی ہے اور نہ ہی یہ محض حصول برکت اور ثواب کی کتاب ہے کہ دکان ومکان میں برکت یا مردے بخشوانے کے لیے اس کی تلاوت کی جائے، بلکہ یہ ''هُدًى لِّلنَّاسِ'' ہے، اس کا مقصدِ نزول اس ہدایت کو حاصل کرنا ہے اور اُسے اپنی زندگیوں کا لائحہ عمل بنانا ہے۔

ایک شخص تو وہ ہے جو تلاشِ حق میں لگا ہوا ہے، اس کو قرآن کے حق ہونے یا نہ ہونے کا یقین نہیں ہے، لیکن وہ لوگ جو اسے حق سمجھتے ہیں، اس پر ایمان رکھتے ہیں، ان کے لیے تو ضروری ہے کہ وہ قرآن کریم کو اپنی زندگی پر عملاً نافذ کریں، وہ قرآن کریم کی انگلی پکڑ کر چلنے کی کوشش کریں۔

عمل کے دو پہلو

پھر اس عمل کے بھی دو پہلو ہیں: ایک انفرادی اور دوسرا اجتماعی، ایسے احکام جن کا تعلق انفرادی زندگی سے ہے، ان کا تو انسان فی الفور مکلّف ہے، البتہ ایسے احکام جن کا تعلق اجتماعی زندگی سے ہے ان کا فی الفور مکلّف تو نہیں، لیکن ان کو درست کرنے کی کوشش کرنا یہ ضروری ہے۔

پانچواں حق :......تبلیغ وتبیین

قرآن مجید کا پانچواں حق اُسے دوسروں تک پہنچانا ہے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

’’بَلِّغُوا عَنِّی وَلَوْ اٰیَةً‘‘۔ (سنن الترمذی، ج:۴،ص:۳۳۷، ط: دارالغرب الاسلامی، بیروت)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ تبلیغ کی ذمہ داری سے کوئی بھی بری نہیں، اگر چہ ایک ہی آیت آتی ہو۔ اصلاً تو یہ فریضہ ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ اور مفہوم کو اقوامِ عالم تک پہنچایا جائے، لیکن بدقسمتی سے جس جس کی یہ ذمہ داری تھی وہ خود محتاج ہے کہ اس تک پہنچایا جائے، اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ تعلیم وتعلم قرآن کی ایک ایسی رَو چل پڑے کہ تمام مسلمان قرآن کریم کو سیکھنے سکھانے میں لگ جائیں۔

قرآن مجید کے یہ پانچ حقوق ہیں، لیکن عام طور پر جو حقوق سمجھے جاتے ہیں، وہ یہ ہیں: ریشمی جز دان میں رکھا جائے۔ جہیز میں دیا جائے۔ نزع کے وقت سرہانے کے قریب یا نئی دکان ومکان میں اس کی تلاوت کی جائے۔ عدالتوں میں قسم اٹھاتے وقت سر پر رکھا جائے۔ پریشانی کے وقت فال نکالا جائے۔ نعوذباللّٰہ من ذٰلک۔

قرآن کے ساتھ ہمارا طرزِ عمل

حضرت عبیدہ ملیکی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’یا أهل القرآن ! لا تتوسدوا القرأن واتلوه حق تلاوته من أناء الليل والنهار وافشوه وتغنوه وتدبروا فيه لعلكم تفلحون‘‘۔ (رواہ البیہقی)

ترجمہ: ’’اے اہل قرآن! اس قرآن کو پس پشت نہ ڈالو، اور اس کی تلاوت کرو جیسا اس کا حق ہے صبح اور شام، اور اس کو پھیلاؤ، اور اسے خوبصورت آوازوں سے پڑھو، اور اس میں تدبر کرو تاکہ تم فلاح پاؤ‘‘۔

لا تتوسدوا یعنی پس پشت نہ ڈالو، سہارا نہ بناؤ۔ ہم نے برکت کی کتاب سمجھ کر طاق میں رکھ دیا، اپنی قسموں کے لیے تختۂ مشق بنا دیا، مرتے ہوئے شخص کے پاس سورۂ یٰسین پڑھ لیتے ہیں، بیٹی کو ٹی وی کے ساتھ جہیز میں قرآن بھی دے دیتے ہیں۔ ہمارے حال پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان صادق آتا ہے:

’’إن اللّٰه يرفع بهذا الكتاب أقواما ويضع به آخرين‘‘۔ (صحیح مسلم)

ترجمہ: ’’بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کتاب (قرآن) کے ذریعہ بہت سی قوموں کو بلند کرتا ہے اور اس کے ذریعہ بہت سوں کو گراتا ہے‘‘۔

یعنی دنیا میں بحیثیت قوم ہماری تقدیر اس کتاب سے جڑی ہوئی ہے۔ خطبۂ حجۃ الوداع میں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’وقدترکت فیکم ما لن تضلوا بعدهٗ إن اعتصمتم به : کتاب اللّٰه ‘‘۔(صحیح مسلم)

ترجمہ:’’میں تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑ کر جارہا ہوں کہ جب تک اس کے ساتھ چمٹے رہوگے ہرگز گمراہ نہ ہوگے اور وہ اللہ کی کتاب (قرآن) ہے‘‘۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے:

’’عن علی رضی اللہ عنہ قال: إنی سمعت رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم یقول: إِنَّهَا سَتَکُونُ فِتْنَةٌ، قُلتُ: مَاالمخرجُ یارسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم؟ قال: کتاب اللّٰه، فيه نَبَأُ مَاقَبلَکم وخَبَرُ مَابَعدَکم وحُکمُ مَابَینَکُم، هوالفَصلُ لیسَ بالهَزْلِ، مَن تَرَکَهٗ مِن جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللّٰهُ ومَنِ ابْتَغٰی الهُدٰی فِی غَیرِهٖ أضَلَّهُ اللّٰهُ وهو حَبلُ اللّٰهِ المَتِینُ، وهو الذکرُ الحکیم، وهوالصراط المستقیمُ‘‘۔(سنن الترمذی، ج:۵،ص:۱۷۲،ط:دارإحیاء التراث العربی، بیروت)

’’حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:عنقریب فتنہ ظاہر ہوگا، میں نے پوچھا اس سے نکلنے کا راستہ کیا ہے؟ (اگر آج کا مسلمان ہوتا تو فوراً پوچھتا کب ہوگا؟ کہاں ہوگا؟ کیا ہوگا؟ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی ایسی فکر لگی ہوتی تھی کہ فوراً اس سے خلاصی کا طریقہ پوچھا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے خلاصی اللہ کی کتاب قرآن ہے، اس میں تم سے پہلے اور بعد کی خبریں ہیں اور اس میں تمہارے درمیان فیصلے ہیں، وہ قول فیصل ہے، فضول بات نہیں ہے، جو جابر سرکش اس کو چھوڑے گا اللہ اس کو توڑ کر رکھ دے گا، اور جو اس کے علاوہ ہدایت تلاش کرے گا اللہ اس کو گمراہ کردے گا، قرآن ہی حبل اللہ ہے، اور محکم نصیحت نامہ ہے، اور صراطِ مستقیم ہے‘‘۔

قرآن حبل اللہ ہے

سورۂ حج میں فرمایا:’’وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ‘‘۔لیکن بات واضح نہیں تھی، پھر اس کی شرح سورۂ آل عمران میں بیان فرمائی:’’وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ‘‘اب بھی بات واضح نہیں تھی تو احادیث میں اس کی تشریح فرمائی:

۱:......ترمذی شریف کی حدیث میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کے فضائل بیان کرتے ہوئے فرمایا:’’هو حبل اللّٰه المتین‘‘۔یہی قرآن اللہ کی مضبوط رسی ہے۔ایک حدیث میں مزید وضاحت ہے، ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرے سے باہر تشریف لائے، دیکھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن کا مذاکرہ کررہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۲:......’’ألیس تشهدون أن لا إله إلااللّٰه وحده لا شریک له وأنی رسول اللّٰه وأن

القرآن جاء من عندالله؟ قلنا بلیٰ. قال فأبشروا فإن هذا القرآن طرفه بیدالله وطرفه بأیدیکم فتمسکوا به فإنکم لن تهلکوا ولن تضلوا بعدهٗ أبداً'' ۔(طبرانی کبیر)

ترجمہ:''کیاتم اس بات کی گواہی نہیں دیتے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبودنہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اورقرآن اللہ کی کتاب ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا: کیوں نہیں؟! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خوشخبری حاصل کرو، یہ قرآن اس کی ایک طرف اللہ کے ہاتھ میں ہے اور دوسری طرف تمہارے ہاتھ میں ہے، لہٰذا اس کو مضبوطی سے تھام لو، اس کے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے''۔

اسی طرح مصنف ابن ابی شیبہ کی ایک روایت میں ہے:

''قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم : کتاب الله هو حبل الله الممدود من السماء إلی الأرض'' ۔

ترجمہ:''اللہ کی کتاب ہی اللہ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک پہنچی ہوئی ہے''۔

اکابرینِ امت کی نظر میں تمام مسائل کا حل قرآن مجید میں

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ

اگر ایک شخص مسلمانوں کی تمام موجودہ تباہ حالیوں اور بدبختیوں کی علت حقیقی دریافت کرنا چاہے اور ساتھ ہی یہ شرط بھی لگا دے کہ صرف ایک ہی علت اصلی ایسی بیان کی جائے جو تمام علل واسباب پر حاوی اور جامع ہو تو اس کو بتایا جا سکتا ہے کہ علماء حق و مرشدین صادقین کا فقدان اور علماء سوء و مفسدین دجالین کی کثرت:

''رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَکُبَرَاءَ نَا فَأَضَلُّوْنَاالسَّبِیْلَا'' ۔

اور پھر اگر وہ پوچھے کہ ایک ہی جملہ میں اس کا علاج کیا ہے؟ تو اس کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں جواب ملنا چاہیے کہ:

''لَایَصْلُحُ آخِرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ اِلَّا بِمَا صَلَحَ بِهٖ أَوَّلُهَا'' ۔

یعنی امت مرحومہ کے آخری عہد کی اصلاح کبھی نہ ہو سکے گی تاوقتیکہ وہی طریق اختیار نہ کیا جائے جس سے اس کے ابتدائی عہد نے اصلاح پائی تھی، اور وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ قرآن حکیم کے اصلی و حقیقی معارف کی تبلیغ کرنے والے مرشدین صادقین پیدا کیے جائیں۔ (البلاغ، جلد اول، شمارہ اول، مورخہ بارہ نومبر ۱۹۱۵ء)

حضرت مولانا انورشاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

مفتی محمد شفیع مرحوم ومغفور فرماتے ہیں کہ:''میں حضرت مولانا سید محمد انورشاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک دن نماز فجر کے وقت اندھیرے میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت سر پکڑے

ہوئے بہت غمزدہ بیٹھے ہیں۔ میں نے پوچھا: ''مزاج کیسا ہے؟'' انہوں نے کہا کہ: ہاں! ٹھیک ہے، میاں! مزاج کیا پوچھتے ہو؟ عمر ضائع کردی۔ میں نے عرض کیا: حضرت! آپ کی ساری عمر علم کی خدمت میں اور دین کی اشاعت میں گزری ہے، ہزاروں آپ کے شاگرد علما ہیں جو آپ سے مستفید ہوئے اور خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں، آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی؟ تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''میں تمہیں صحیح کہتا ہوں کہ اپنی عمر ضائع کردی'' میں نے عرض کیا کہ حضرت! اصل بات کیا ہے؟ فرمایا: ''ہماری عمروں کا، ہماری تقریروں کا، ہماری ساری کوششوں کا خلاصہ یہ رہا کہ دوسرے مسلکوں پر حنفی مسلک کی ترجیح قائم کردیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں، یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا، تقریروں کا اور علمی زندگی کا۔ اب غور کرتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی! پھر فرمایا: ''ارے میاں! اس بات کا کہ کون سا مسلک صحیح تھا اور کون سا خطاء پر؟ اس کا راز تو کہیں حشر میں بھی نہیں کھلے گا اور نہ دنیا میں اس کا فیصلہ ہوسکتا ہے اور نہ ہی قبر میں منکر نکیر پوچھیں گے کہ رفع یدین حق تھا یا ترکِ رفع یدین حق تھا؟ (نماز میں) آمین زور سے کہنا حق تھا یا آہستہ کہنا حق تھا؟ برزخ میں بھی اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا اور قبر میں بھی یہ سوال نہیں ہوگا، روزِ محشر اللہ تعالیٰ نہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو رسوا کرے گا، نہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو، نہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو، اور نہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو...... اور نہ میدان حشر میں کھڑا کرکے یہ معلوم کرے گا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا تھا یا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے غلط کہا تھا، ایسا نہیں ہوگا۔ تو جس چیز کا نہ دنیا میں کہیں نکھرنا ہے، نہ برزخ میں، نہ محشر میں، اس کے پیچھے پڑکر ہم نے اپنی عمر ضائع کردی اور جو صحیح اسلام کی دعوت تھی، جو سب کے نزدیک مجمع علیہ اور وہ مسائل جو سبھی کے نزدیک متفقہ تھے اور دین کی جو ضروریات سبھی کے نزدیک اہم تھیں، جن کی دعوت انبیاء کرام علیہم السلام لے کر آئے تھے، جن کی دعوت کو عام کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا تھا، وہ منکرات جن کو مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی تھی، آج اس کی دعوت ہی نہیں دی جارہی، یہ ضروریاتِ دین تو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہورہی ہیں اور اپنے اور اغیار سبھی دین کے چہرے کو مسخ کررہے ہیں اور وہ منکرات جن کو مٹانے میں ہمیں لگے ہونا چاہیے تھا وہ پھیل رہے ہیں، گمراہی پھیل رہی ہے، الحاد آرہا ہے، شرک و بت پرستی چلی آرہی ہے، حرام وحلال کا امتیاز اٹھ رہا ہے، لیکن ہم لگے ہوئے ہیں ان فرعی وفروعی بحثوں میں، اس لیے غمگین بیٹھا ہوں اور محسوس کررہا ہوں کہ عمر ضائع کردی''۔ (وحدت امت، ص:۱۳، مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ)

مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اجتہادی مسائل اور ان کے اختلاف جن میں ہم اور عام اہل علم الجھتے رہتے ہیں اور علم کا پورا زور اس پر خرچ کرتے ہیں، ان میں صحیح وغلط کا فیصلہ دنیا میں تو کیا ہوتا میرا گمان تو یہ ہے کہ محشر میں بھی

اس کا اعلان نہیں ہوگا، کیونکہ رب کریم نے جب دنیا میں کسی امام مجتہد کو باوجود خطا ہونے کے ایک اجر وثواب سے نوازا ہے اوران کی خطا پر پردہ ڈالا ہے تو اس کریم الکرماء کی رحمت سے بہت بعید ہے کہ وہ محشر میں اپنے ان مقبولانِ بارگاہ میں سے کسی کی خطأ کا اعلان کر کے اس کو رسوا کریں۔

دو عظیم شخصیات

کالجوں یونیورسٹیوں سے نکلنے والے لوگوں میں چوٹی کی شخصیت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اور مدارس ودارالعلوموں سے نکلنے والے لوگوں میں سے چوٹی کی شخصیت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ

مولانا مرحوم جمعیت علماء ہند کے صدر تھے، اس میں بریلوی، دیوبندی، اہل حدیث تمام علما شامل تھے۔ آپ نے تحریک ریشمی رومال چلائی تھی، آپؒ کو حجاز سے انگریزوں نے گرفتار کر کے جزیرہ مالٹا میں قید کیا تھا، چار سال قید کے بعد جب ٹی بی کا مرض تیسری سٹیج پر پہنچا تو انگریزوں نے رہا کر دیا۔ آپ جب رہا ہو کر بمبئ کے ساحل پر پہنچے تو آپ کا استقبال کرنے مہاتما گاندھی بھی آیا تھا۔ رہائی کے بعد ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند میں علما کے ایک مجمع میں آپؒ نے فرمایا: ''ہم نے تو مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں''۔ یہ الفاظ سُن کر سارا مجمع ہمہ تن گوش ہو گیا کہ اس استاذ العلماء درویش نے اسّی سال علماء کو درس دینے کے بعد آخر عمر میں جو سبق سیکھے ہیں وہ کیا ہیں؟ فرمایا کہ:

''میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں؟ تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے: ایک ان کا قرآن کریم کو چھوڑ دینا، دوسرے ان کے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔ اس لیے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے، بچوں کے لیے لفظی تعلیم کے مکاتب ہر بستی بستی میں قائم کیے جائیں، بڑوں کو عوامی درسِ قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لیے آمادہ کیا جائے، اور مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔''

مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''نبّاضِ امّت نے مِلّتِ مرحومہ کے مرض کی جو تشخیص اور تجویز فرمائی تھی، باقی ایّام زندگی میں ضعف وعلالت اور ہجومِ مشاغل کے باوجود اس کے لیے سعی پیہم فرمائی''۔ (وحدتِ امت)

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ:

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے جو حل تجویز فرمایا، وہ ہے:

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہوکر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہوکر

علامہؒ اپنی فارسی کی شاعری میں اسی بات کو ایک اور انداز سے بیان فرماتے ہیں:

خوار از مہجوریِ قرآں شدی
شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شدی
اے چوں شبنم بر زمیں افتندہ
در بغل داری کتابِ زندہ

''ہم قرآن کو چھوڑ کر خوار ہورہے ہیں اور شکوہ زمانے کا کررہے ہیں، اے وہ شخص جو شبنم کی طرح زمین پر گرا پڑا ہے، تیری بغل میں ایک زندہ کتاب ہے (اس سے استفادہ کر)''۔

دراصل یہ سورۂ فرقان کی اس آیت کا مفہوم ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فریاد واستغاثہ کو ذکر فرمایا:

''وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ اتَّخَذُوْا ھٰذَاالْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا''۔ (الفرقان:۳۰)

''اور کہے گا رسول، اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو نظرانداز کردیا تھا''۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

''اگر تو مسلمان زندہ رہنا چاہتا ہے تو یہ قرآن کے بغیر ممکن نہیں ہے''۔

اپنی تاریخ کے اوراق پلٹ کر دیکھیں، آپ کو واضح طور پر نظر آئے گا کہ جب تک مسلمانوں نے قرآن کو مضبوطی سے تھامے رکھا، اسی کو حقیقی معنوں میں اپنا ہادی وراہنما سمجھا، اپنے عمل، اخلاق اور معاملات کو اسی کے مطابق استوار رکھا تو انفرادی اور اجتماعی ہر سطح پر ان کا رعب اور دبدبہ قائم رہا، دنیا میں وہ سربلند اور غالب رہے اور اسلام کا جھنڈا چہار دانگ عالم میں لہراتا رہا، لیکن جیسے جیسے وہ کتاب اللہ سے بے پروا اور نور وحکمت کے اس خزینہ سے بے تعلق ہوتے چلے گئے، ویسے ویسے ان پر زوال کے سائے گہرے ہوتے گئے اور وہ بتدریج فساد اور انحطاط میں مبتلا ہوتے چلے گئے اور نتیجتاً مغلوب ہوگئے۔ چنانچہ سب سے پہلے ان کے عقائد خراب ہوئے، پھر اعمال بگڑے، پھر سنت کی جگہ بدعت نے لے لی، پھر ان کا اتحاد پارہ پارہ ہوگیا، وہ بیشمار فرقوں اور قومی ونسلی وجغرافیائی تعصّبات میں تقسیم ہوگئے۔

☆☆☆